شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی قرآن فہمی

Sheikh-ul-Hind Maulānā Maḥmood Ḥasan and his understanding of Qur'ān

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج*

Abstract

Sheikh-ul-Hind Maulana Maḥmood Ḥasan (1851-1920) is one of the prominent figures of Deoband Movement who did a remarkable work about the translation of Qur'ān. His translation of Qur'ān is a primary source of many reliable tafāseer such as Ma'ārif al-Qur'ān by Mufti Muhammad shafi' (RA), as in his tafseer, he has adopted his translation of the Qur'ān. In this artical the understanding of Qur'ān and methodology of explaining Quranic verses of Sheikh al-Hind has been discussed.

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (متوفیٰ ۱۹۲۰ء) برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ کے ایسے عظیم قائد تھے کہ جنہیں سیاسی بصیرت کی رُو سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفیٰ ۱۷۶۲ء) کے بعد دوسری بڑی اور اہم شخصیت قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے شاگردوں کی عظمت بھی کوہِ ہمالہ سے کم نہ تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا منصور انصاریؒ، مولانا سید اصغر حسینؒ، مولانا سید فخر الدین احمدؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیلاویؒ، اور مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہم جیسے مشاہیر ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔ تلامذہ کی عظمت و رفعت سے استاذِ محترم کی شان و شوکت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

قرآنیات کے نامور اسکالر ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے لکھا ہے:

> "جس طرح بارہویں صدی ہجری کے مجددِ اعظم شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۶۲ء / ۱۱۷۶ھ) کی عظمت و جلالت اور خصوصاً جامعیت کبریٰ کا مظہر ان کی تصانیف ہیں۔ اسی طرح چودھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ الہند مولانا محمود حسن کی عظمت و جامعیت کے مظہرِ کامل ان کے عظیم تلامذہ ہیں۔[1] مولانا محمود حسنؒ بنیادی طور پر مُصلح، عالم اور شیخِ طریقت تھے۔ ان کا اصلی کام درس و تدریس اور تزکیہ و تربیت تھا۔ انہیں بعض حالات اور قومی ضروریات کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ انہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف علماء کو آمادہ کیا۔ انہیں مسجد کے حجروں اور درس کے حلقوں سے باہر نکالا۔[2] عملی سیاست نے انہیں وسیع القلب اور وسیع

*ڈین، فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ کراچی، وڈائریکٹر سیرت چیئر، جامعہ کراچی

النظر بنا دیا تھا۔ وہ معاصر علماء کے قدر دان تھے۔ مولانا کی سیاسی بصیرت، بر صغیر میں اسلامی تشخص کے احیاء اور تحریکِ آزادی کی جد وجہد میں ان کے قائدانہ کردار پر اہلِ علم و دانش نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور ہنوز لکھا جا رہا ہے۔ مگر میں نے ان کی پہلو دار شخصیت کے ایک ایسے رُخ سے پردہ ہٹانے کی کوشش کی ہے، جس پر میرے ناقص علم کے مطابق، خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔[3] جب شیخ شیخ الہندؒ، اسیری سے رہائی پاکر واردِ ہند ہوئے تو انہوں نے اپنے تمام تلامذہ اور مسترشدین کو ہدایت کی کہ اپنی تمام تر توجہات کو خدمتِ قرآن پر مرکوز کر دیں۔ جس کا مظہر آپ کا خطبۂ دیوبند ہے۔ (بروایت مفتی محمد شفیع، (متوفیٰ ۱۹۷۶ء) [4]. یہ بات تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہے کہ مولانا محمود حسنؒ نے مالٹا میں قید و بند کا زمانہ نہایت عزم وہمت اور صبر و استقلال سے گزارا۔ ان کا بیشتر وقت عبادت میں گزرتا رہا۔ انہوں نے یہیں قرآنِ مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شاید مالٹا جیل میں محبوس ہی اس لئے فرمایا تھا کہ وہ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کر سکیں۔ سورۃ المائدہ یا النساء تک حواشی تحریر فرمائے تھے کہ رہائی مل گئی اور بقیہ حواشی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (متوفیٰ ۱۹۴۹ء) نے پورے کیے"[5]

شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن کا نام "موضحِ فرقان" ہے۔ یہ ترجمہ، جس اردو ترجمہ کے تتبع میں ہوا ہے وہ مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ (متوفیٰ ۱۲۳۰ء) کا ترجمہ "موضحِ قرآن" ہے جو جدید اصطلاح میں اردو کا پہلا بامحاورہ ترجمہ مانا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ شاہ عبد القادرؒ نے ۱۲۰۵ھ میں اپنا ترجمہ مکمل کیا اور ان کے بعد ان کے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ (متوفیٰ ۱۲۳۳ء) نے اپنا ترجمہ، تحتِ لفظی میں مکمل کیا۔ شاہ عبد القادر کے ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ ان کے بامحاورہ ترجمے میں اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ محاورہ قرآنی مدلول کے تابع رہے۔ ایسا نہ ہو کہ مدلولِ قرآنی کو محاورۂ زبان پر قربان کر دیا جائے۔[6] اردو

زبان میں یہ قرآنِ مجید کا وہ پہلا ترجمہ ہے جسے بعد کے تقریباً تمام ہی علماء نے سند کے طور پر مانا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے:

"حضرت شاہ عبد القادرؒ نے اسے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کا جنازہ مسجد ہی سے نکلا۔ دارالعلوم دیو بند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ یہ ترجمہ الہامی ہے۔ انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے۔ شیخ العرب والعجم سیّدی حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے اپنے وقت میں جب یہ دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات میں ترمیم کی ضرورت ہے تو انہوں نے اسی ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی۔ جو ترجمہ شیخ الہندؒ کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ احقر نے قرآنِ کریم کے زیرِ متن اسی ترجمہ کو بعینہٖ لیا ہے۔" [7]

آپ نے ملاحظہ کیا کہ مفتی محمد شفیع نے اپنی معروف تفسیر معارف القرآن میں اپنا ذاتی ترجمہ کرنے کی بجائے مولانا محمود حسن، شیخ الہندؒ کے ترجمے پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی قرآنی متن کے نیچے، بغیر کسی ترمیم کے بعینہٖ رقم کیا ہے۔ اس سے ترجمہ کی صرف معنوی صحت ہی کا نہیں بلکہ کم و بیش ستاون سال [8] گزرنے کے بعد محاورۂ اردو کی اصابت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ مفتی محمد شفیعؒ، شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ اور ان کے درسِ بخاری میں غیر رسمی شرکت کا شرف بھی انہیں حاصل تھا۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔

"بچپن سے متوسط تعلیم عربی تک شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند قدس سرہ' کی خدمت میں حاضری دی، کبھی کبھی درسِ بخاری کی غیر رسمی حاضری نصیب رہی، مالٹا جیل سے واپس تشریف لانے کے بعد انہی کے دستِ حق پرست پر بیعتِ طریقت نصیب ہوئی۔" [9]

شاہ عبد القادرؒ کا ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ جبکہ شیخ الہندؒ کا ۱۳۳۶ھ کو۔ [10] یوں ان دونوں ترجموں کے درمیان ایک سو اکتیس (۱۳۱) سالوں کا فاصلہ ہے۔ زبان و ادب کے پہلو سے یہ فاصلہ کم نہیں تھا۔ اس عرصہ میں اردو زبان کہاں سے کہاں پہنچ چکی تھی۔ زمانوں کے فرق سے کسی بھی زبان میں کتنا فرق ہو جاتا ہے۔ اس کی حقیقت تاریخ لسانیات کے ماہرین سے پوچھیئے۔ اس لئے شیخ الہندؒ نے بجا طور پر صحیح کیا کہ شاہ عبد القادرؒ کے ترجمے کو عصری تقاضوں کے مطابق ایسے اسلوب میں منتقل کیا، جو عام لوگوں کے لئے یسیر الفہم تھا۔ اگر شیخ الہندؒ یہ ترجمہ نہ کرتے تو شاہ عبد القادرؒ بعدِ زمانہ کے اثر اور غیر مانوس محاوروں کے سبب عوام الناس میں قصہ پارینہ بن سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اردو کے پہلے ترجمے کو بتقاضائے ضرورت، قدرے ترمیم کے ساتھ از سرِ نو پیش کرکے دراصل شاہ صاحبؒ کے ترجمے کو نیا جنم دیا اور اس طرح ماضی کو

حال سے وابستہ کر کے قدیم و جدید کے فرق کو ختم کر دیا۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مترجمِ قرآن کی حیثیت سے شاہ عبد القادرؒ نے شیخ الہند کی صورت میں دوسرا جنم لیا تھا۔ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک دلیلِ کم نظری قصہ ٔ قدیم و جدید۔! شاہ عبد القادرؒ کے ترجمے کو اپنے ترجمے کی بنیاد بنانے کے لئے شیخ الہندؒ کے نزدیک آخر وہ کیا اسباب تھے کہ جن کے پیشِ نظر ایسا کیا گیا ہے؟ اس میں ایک سبب تو یہ تھا کہ شاہ صاحبؒ کے بعض کلمات و محاورات شیخ الہندؒ کے زمانے میں متروک ہو چکے تھے یا پھر قریب المتروک تھے۔ اور دوسرا سبب یہ تھا کہ شاہ صاحبؒ کے ہاں کلماتِ قرآنی کی موافقت اور مطابقت کا خیال بہت زیادہ کیا گیا تھا اور شروطِ ترجمہ کی پابندی بھی بہت زیادہ کی گئی تھی، بایں سبب بوجہ ٔ اختصارِ عبارت شیخ الہندؒ کے دور کے سہولت پسند طبائع کو قرآنی مطالب کے سمجھنے میں بہت دِقت معلوم ہوتی تھی۔ شیخ الہندؒ نے اصلاً انہی دو اسباب کے پیشِ نظر شاہ صاحب کے ترجمے کے احیاء کا فیصلہ کیا۔ اس Revival کا ایک فائدہ اور بھی ان کے پیشِ نظر تھا۔ یعنی آزاد خیالی کی روش کے تحت جو تراجم عوام میں مقبول ہو رہے تھے ان سے عوام کی توجہ کو ہٹایا جائے، اور اس کے لئے کرنے والی بات یہی ہو سکتی تھی کہ آزاد خیالی کی روش کا مقابلہ شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی مدد سے کیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کو ایک بار پھر ان کے شاندار ماضی سے ہمکنار کر دیا جائے۔

گویا بقولِ اقبالؒ!

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا۔!
وہی جام گردش میں لا ساقیا

شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ

> "حضرت شاہ صاحبؒ اپنے ترجمے میں ترتیبِ قرآن کا بہت خیال رکھتے ہیں اور قرآنی متن اور اس کے ترجمے میں مطابقت پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا ترجمہ بامحاورہ ہے۔ اس لئے بعض موقعوں پر انہیں ازروئے ضرورت توضیح و تسہیل کے لیئے تقدیم و تاخیر بھی کرنی پڑی ہے، مگر اس طرح کی تقدیم و تاخیر آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ تقدیم و تاخیر کی مثال کے لئے انہوں نے لکھا ہے۔" دیکھیئے! عربی زبان میں مضاف کو مقدم ذکر کرتے ہیں اور اردو کا محاورہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مقدم کرتے ہیں۔ وہ" غلامُ زیدٍ" کہتے ہیں تو ان کے محاورہ میں" زید کا غلام" کہیں گے۔ سو ترتیب تو بدل گئی مگر دونوں کلمے متصل ہی رہے۔ فاصلہ اور فرق کچھ نہیں ہوا۔ اس لئے حاجت کے وقت یہ تغیّر کچھ تغیّر نہیں سمجھا جاتا۔ اس قسم کی مثالیں شاہ صاحب کے ترجمے میں کثرت سے ملیں گی۔"

[11] شیخ الہندؒ نے اس ضمن میں ایک مثال عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ (البقرہ۷) والی آیت سے دی ہے۔ جس کا ترجمہ شاہ صاحب نے یوں کیا ہے۔" ان کے دل پر اور ان کے کان پر اور ان کی آنکھوں پر"

جبکہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے تحتِ لفظی میں یوں کیا ہے: " اوپر دل ان کے اور اوپر کانوں ان کے اور اوپر آنکھوں ان کی"ظاہر ہے کہ یہاں معمولی تقدیم و تاخیر کے فرق و اختلاف سے بامحاورہ اردو میں بات، بہت جلد قابلِ فہم ہو گئی ہے۔ سو شاہ صاحب کے ہاں اس طرح کے محاورے بہت ملیں گے اور واضح رہے کہ محاوراتی زبان، ترجمے کا عیب نہیں بلکہ ادائے مفہوم کے لئے ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا حُسن بھی ہے۔ اور عاشقوں کو ہمیشہ ایسے ہی حُسن کی تلاش رہی ہے۔ اس طرح کے تراجم بامحاورہ ترجمہ کرنے والوں کی مجبوری ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ الہندؒ کے بقول:

" حضرت شاہ صاحب کی احتیاط قابلِ تحسین اور لائقِ قدر ہے کہ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مقدم نہیں کرتے بلکہ جہاں ترجمے میں ذرا گنجائش مل جاتی ہے۔ وہاں اتنے قلیل تغیّر کو بھی پسند نہیں کرتے، ترتیبِ قرآنی کو اختیار فرماتے ہیں۔"[12]

شیخ الہندؒ نے اس کی مثال اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے دی ہے۔ جس میں " رَبِّ الْعَالَمِينَ " مضاف، مضاف الیہ مل کر صفت واقع ہوئے ہیں۔ یہاں چونکہ گنجائش نکل سکتی تھی کہ ترجمہ، محاورہ کے مطابق ہو اور کلامِ الٰہی کی ترتیب بھی باقی رہے۔ سو شاہ صاحبؒ نے رَبِّ الْعَالَمِينَ کا ترجمہ اصلی ترتیب پر باقی رکھا اور آیت کا ترجمہ یوں کیا۔ "سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو پالنے والا سارے جہان کا"اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ بھی صفت واقع ہوا ہے۔ مگر چونکہ یہاں دو اضافتیں اکٹھی ہوئی ہیں جس میں پہلی اضافت میں ترتیبِ اصلی باقی رکھنے کی گنجائش ہے۔ دوسری میں نہیں۔ اس لئے شاہ صاحبؒ نے " مالک" کا ترجمہ اصل کے مطابق مقدم کیا۔ اور یوم کے ترجمے کو محاورۂ اردو کے موافق " دین" سے موٴخر کیا۔ ان کا ترجمہ یہ ہے... " مالک، انصاف کے دن کا" جبکہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے تحتِ لفظی کے ساتھ اس کا ترجمہ یوں کیا ہے... " خداوند، دن جزا کا" شیخ الہندؒ کے بقول شاہ صاحب کے ہاں اس طرح کی تقدیم و تاخیر صرف توضیح اور تسہیل کی غرض سے کی گئی ہے۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ بعض ایسے مقامات کہ جہاں محاورۂ اردو کے ساتھ ترتیبِ قرآنی کا لحاظ رکھنا دشوار تھا۔ وہاں بھی شاہ صاحب نے اس دشوار کو دشوار نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اپنی غائر اور باریک بین نظروں سے ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ محاورہ کی پابندی بھی رہی اور ترتیبِ متن بھی باقی رہی اور اگر کوئی فرق آیا بھی تو وہ اتنا معمولی تھا کہ اسے خود " شیخ الہند" نے " خفیف ولطیف" قرار دیا۔ نیز موضح قرآن کے بارے میں شیخ الہندؒ نے لکھا۔

"بعینہٖ یہی حال ہے فعل اور فاعل اور مفعول اور جمیع متعلقاتِ فعل کا اور صفت موصوف، حال، تمیز وغیرہ کا کہ اکثر مواقع میں ترتیب کی موافقت فرماتے ہیں اور بہت سے مواقع میں اسی تغیّرِ لطیف مذکورۂ بالا سے کام لیتے ہیں۔"[13]

کلامِ عرب میں حروفِ روابط یا حروفِ جرّ، ہمیشہ اپنے معمول پر مقدم ہوتے ہیں۔ جبکہ اردو محاورے میں علی العموم مؤخر بولے جاتے ہیں الّا یہ کہ خال خال۔ بلکہ ان میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا مؤخر ہونا لازمی ہوتا ہے۔ جبکہ ہماری زبان میں ان کو مقدم کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ جیسے مِنْ اور عَنْ ... اردو زبان میں یہ ممکن ہی نہیں کہ مِنْ اور عَنْ کا ترجمہ مقدم ہو سکے۔ جیسے مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ... اور لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ میں مِنْ اور عَنْ کی مثالیں اس پر شاہد ہیں۔ مگر وہ حروف جنہیں مقدم کرنا درست مگر محاورہ کے خلاف ہے۔ سو تحتِ لفظی ترجمہ میں ان کو نظمِ قرآنی کے موافق مقدم کر سکتے ہیں مگر محاورۂ ترجمہ میں انہیں مؤخر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جیسے علیٰ اور اِلیٰ وغیرہ... شیخ الہندؒ نے اس کی مثال: خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ... اور... إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ سے دی ہے۔

اوّل الذکر آیت کا ترجمہ تحتِ لفظی میں یوں ہوا ہے۔ "مہر کی اللہ نے اوپر دلوں ان کے" (شاہ رفیع الدینؒ)

اور با محاورہ ترجمہ اس طرح ہوا ہے... "مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر"... (شاہ عبد القادرؒ)

اور مؤخر الذکر آیت کا با محاورہ ترجمہ یوں ہے... "مگر اُنہی پر، جن کے دل پگھلے ہیں۔"

دیکھ لیجئے کہ یہاں علیٰ کے ترجمے کو مقدم رکھا ہے، خاشعین پر، اور یہ تقدیم محاورہ کے خلاف بھی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں کے بعد شیخ الہندؒ فرماتے ہیں۔ الحاصل حضرت شاہ صاحب جگہ جگہ ترتیب میں تصرف کرتے ہیں۔ مگر جچا تُلا بقدرِ ضرورت اور عند الحاجت نہایت غور اور احتیاط کے ساتھ، جس کی وجہ سے حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کا ترجمہ جیسے استعمالاتِ محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔ ویسا ہی باوجود پابندیٔ محاورہ، قلّتِ تغیّر اور خفتِ تبدّل میں بھی بے مثل ہے۔ فللّٰہ درہٖ ثم للّٰہ درہٖ۔ اس کے سوا بعض بعض تصرفات خفیفہ، مفیدہ اور بھی کر جاتے ہیں مثلاً ترجمہ میں کوئی لفظ مختصر بڑھا دیتے ہیں، جس سے مطلب واضح ہو جائے یا مرادِ خداوندی معین ہو جائے۔ سو یہ امر ایسا ہے کہ ترجمہ تحت لفظی میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ ایسا ہی ترجمے میں بعض الفاظ کو بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ مثلاً بعض مواقع میں اِنَّ کا ترجمہ نہیں کرتے۔ یا ابت کے ترجمے میں " اے میرے باپ نہیں کہتے۔ صرف " اے باپ " پر قناعت کر جاتے ہیں۔ یا بنیّ کا ترجمہ " اے میرے چھوٹے بیٹے " کی جگہ فقط " اے بیٹے! " فرمایا ہے۔ ایسا ہی یارب کا ترجمہ " اے رب " متعدد مواقع میں اختیار فرمایا ہے۔ سو اس قسم کے تصرفات میں کچھ حرج نہیں۔ ترجمۂ لفظی تک میں ان کی گنجائش ہے۔"[14]

شاہ عبد القادرؒ نے اپنے ترجمے میں کن کن امور کا لحاظ رکھا ہے۔ اس کی وضاحت شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمے میں بہت عمدگی اور شانِ جامعیت سے کی ہے۔ جس کا حاصل راقم کی اپنی ترتیب میں کچھ یوں ہے۔

1. ترجمہ میں اختصار و سہولت ہے۔
2. الفاظِ قرآنی میں لفظی و معنوی موافقت پائی جاتی ہے۔
3. صرف لغوی معنیٰ پر بس نہیں کیا گیا ہے بلکہ معنیٔ مرادی اور غرضِ اصلی کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔
4. بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ ہے۔ دوسری جگہ کچھ۔ حالانکہ معنیٔ لغوی اس لفظ کے ایک ہی ہیں۔
5. سہولت اور وضاحت کی رعایت سے کبھی مضمونِ ایجابی کو عنوانِ سلبی میں ادا کیا ہے۔
6. نفی اور استثناء کا ترجمہ الگ الگ نہیں کیا بلکہ حصر، جو اس سے مقصود ہے، اس کو محاورے کے موافق بیان کیا ہے۔
7. حال، تمیز، بدل وغیرہ حتیٰ کہ مفعول مطلق کے عنوانات کی رعایت کی گئی ہے۔

ان خصوصیات کا اظہار وہی کر سکتا ہے، جو عربی و اردو ہر دو زبانوں کا یکساں اداشناس ہو اور نہ صرف زبانوں کا بلکہ اس طرح کے باریک بین حقائق کے اظہار کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ تبصرہ نگار، قرآنی علوم کا ماہر بھی ہو، اور ساتھ ہی اس کی نگاہ دیگر تراجم پر بھی ہو اور وہ ان تراجم کے معائب و محاسن سے بھی آگاہ ہو۔ دیگر تراجم کے باب میں یہ ظاہر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمے میں، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تراجم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " احقر نے دونوں ترجموں کو تفصیل سے دیکھا ہے۔ جو ان خرابیوں سے پاک وصاف ہیں اور عمدہ ترجمے ہیں۔" اسی طرح انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مولانا شاہ رفیع الدینؒ اور مولانا شاہ عبد القادر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے تراجم کو جن شاندار لفظوں میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے وہ بھی قابلِ حوالہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

(ان حضرات)" کے تراجم کو جو غور سے دیکھا تو یہ امر بے تامل معلوم ہو گیا کہ اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دے جاتے تو اس شدّتِ ضرورت کے وقت میں ترجمہ کرنا بہت دشوار ہوتا۔ علماء کو صحیح اور معتبر ترجمہ کرنے کے لئے متعدد تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑتا اور بہت ہی فکر کرنا ہوتا اور ان دقتوں کے بعد شاید ہی ایسا ترجمہ نہ کر سکتے، جیسا اب کر سکتے ہیں۔"[15] اس لئے راقم کا خیال ہے کہ اردو زبان میں جتنے بھی تراجم ہوئے ہیں انہیں اصلاً انہی ابتدائی تراجم کی صدائے بازگشت سمجھنا چاہیئے۔ گویا:

ے بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو!
وہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو!

شیخ الہندؒ نے اپنے حواشی میں متعدد مقامات پر مولانا حافظ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمے کا بغیر نام لئے ذکر کیا ہے۔ وہ جب "تراجم دہلویہ" یا" تراجم دہلویہ جدیدہ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ ہوتا ہے۔[16] جس پر وہ نقد و نظر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اردو زبان کے معروف تراجم بنظرِ غائر دیکھے تھے۔ وہ چاہتے تو ان تراجم کو سامنے رکھ کر کچھ لفظوں کے مرادفات میں ردّو بدل کر کے ایک نیا ترجمہ بھی کر سکتے تھے وہ علم و فضل کے اس مقامِ رفعت پر فائز بھی تھے کہ اگر پہلے سے کوئی ترجمہ نہ بھی ہوتا تب بھی وہ اردو کے پہلے ترجمہ نگار بن سکتے تھے۔ ان میں عمدہ مترجم کی تمام تر صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود تھیں۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنا ترجمہ کرنے کی بجائے شاہ صاحب کے ترجمے کو فوقیت دی اور اسے اپنے ترجمے کی بنیاد بنایا اس سے ان کی علمی عظمت کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی۔ کیونکہ انہوں نے شاہ صاحبؒ کے ترجمے کو اپنی ترمیمات کے ذریعے مزید سہل ممتنع بنا کر خوب واضح کر دیا ہے اور حال کا رشتہ ماضی سے جوڑ کر اپنے عہد کے لوگوں کو قرآن فہمی کے لئے خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے قریب تر کر دیا ہے۔ اس عظیم کارنامے بلکہ احسان پر وہ دنیائے اسلام بالخصوص دنیائے اردو کی جانب سے دلی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمہ میں مذکورہ بالا چند فوائد کے ساتھ ساتھ چند امثلہ بھی پیش کی ہیں۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض عرض کئے دیتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کا ترجمہ شاہ صاحب نے یوں کیا ہے۔" شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔"... جبکہ شیخ الہندؒ نے الرحمٰن کے ترجمے میں معمولی سی ترمیم کر کے اسے زیادہ مطابقِ حق وصواب کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے... " شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان، نہایت رحم والا ہے۔"... اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ " رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ ترجمے میں ان سب باتوں کا لحاظ ہے"... سورۂ فاتحہ میں بھی رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ ایسا ہی کیا گیا ہے۔ شیخ الہندؒ کے بقول:

" یوم الدین " کا ترجمہ جملہ حضرات نے " روزِ جزا" یا" دن، جزا کا" فرمایا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے عوام کی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور عوام کے کلام میں جزا کا لفظ شائع اور مستعمل نہیں۔ دوسرے اہلِ لغت اور مفسرین نے دین کے معنٰی جزا اور حساب دونوں فرمائے ہیں۔ ان وجوہ سے غالباً حضرت ممدوح نے جزاء کے بدلے " انصاف " کا لفظ اختیار فرمایا کہ عوام میں بھی شائع ہے اور اس ایک لفظ میں جزاء اور حساب دونوں آ گئے۔"[17] مگر اس وضاحت کے باوجود خود شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ " روزِ جزا" سے کیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا ترجمہ شاہ صاحب نے اس طرح کیا ہے " چلا ہم کو راہ سیدھی۔" شیخ الہندؒ اپنے مقدمے میں فرماتے ہیں:

" "ہدایت" کے لغتِ عرب میں دو معنٰی ہیں۔ ایک صرف " راستہ دکھلا دینا" دوسرے " مقصود تک پہنچا دینا" اوّل کو ارأۃ اور دوسرے کو ایصال کہتے ہیں۔ اس لئے اوروں نے "اِهْدِنَا " کا ترجمہ " دکھا ہم کو"

فرمایاہے اور شاہ صاحب "چلا ہم کو" فرماتے ہیں، جس سے "ایصال" کی طرف اشارہ کرنا مفہوم ہوتا ہے۔"[18]

مگر خود شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمے میں شاہ صاحب کی اتباع نہیں کی، اور "چلا ہم کو" کی جگہ "بتلا ہم کو" کے لفظ سے ہدایت کے معنیٰ اول کو اختیار کیاہے۔ "هُدًى لِلْمُتَّقِينَ" کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے کیاہے۔" راہ بتاتی ہے ڈروالوں کو" شیخ الہندؒ نے اس کی اتباع میں یہاں هُدًى کا ترجمہ "بتلانے" سے کیاہے۔ یعنی "راہ بتلاتی ہے، ڈرنے والوں کو۔" اور اپنے مقدمے میں کیا خوب نکتہ ارشاد فرمایاہے۔" اور حضرات نے "هُدًى" کے ترجمے میں "رہنما" یا" راہ دکھاتی ہے" فرمایاہے اور حضرت ممدوح نے "راہ بتلاتی ہے" فرمایاہے۔ چونکہ إِهْدِنَا میں "ہدایت" حق تعالیٰ کی صفت ہے تو وہاں "چلانے" کا لفظ لائے ہیں اور اس موقع میں "ہدایت" قرآن کی صفت ہے۔ تو اس لئے "راہ بتانے" کا لفظ بیان فرمایا۔ ورنہ دونوں جگہ مقصود ایصال کی طرف اشارہ کرنا معلوم ہوتاہے۔"[19] اس نکتہ کی وضاحت کے بعد راقم کا خیال ہے کہ شیخ الہندؒ نے إِهْدِنَا کا ترجمہ لازماً" چلا ہم کو" سے کیاہو گا، جو سہوِ کتابت سے "بتلا ہم کو" ہو گیاہے۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ جس بات کو وہ اپنے مقدمے میں بطور وصف کے لائے ہوں۔ خود ان کا ترجمہ اس وصف سے خالی ہو۔ اسی طرح" مالک یوم الدین" کے ترجمے پر بھی راقم کا یہی خیال ہے کہ شیخ الہند نے اس کا ترجمہ بھی " مالک روزِ انصاف کا" سے کیاہو گا۔ مگر کسی تسامُح کے سبب وہ بھی" مالک، روزِ جزا کا" ہو گیاہے۔ کیونکہ اپنے مقدمے میں انہوں نے" الدین" کی وضاحت لفظ انصاف سے کرنے پر شاہ صاحب کی مدح کی ہے اور خود ان کا ترجمہ اس خوبی سے محروم ہو، یہ کیسے ہو سکتاہے؟ کیونکہ وصفِ مدح، وقوعِ مدح کو بھی مستلزم ہوتاہے اور یہ وہی مقام ہے، جہاں اس لفظ کی ضرورت تھی۔

شیخ الہند نے اپنے مقدمہ میں لکھاہے کہ:

" ایمان کا ذکر قرآن شریف میں ماضی، مضارع، امر، اسم، فاعل مختلف صیغوں کے ضمن میں بہت کثرت سے موجود ہے۔ سو حضرات مترجمین تو اکثر مواقع میں اس کا حسبِ ظاہر ترجمہ "ایمان" یا"اسلام" سے فرماجاتے ہیں اور حضرت ممدوح ایمان، اسلام، یقین ماننا' جو لفظ جس موقع کے مناسب اور مفید سمجھتے ہیں، اس کو اختیار کرتے ہیں۔"[20] اس کی مثال یؤمنون بالغیب کے ترجمے میں موجود ہے۔" جو یقین کرتے ہیں بے دیکھے" اور دوسری مثال الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الانعام ۸۲) کے ترجمہ میں موجود ہے۔ شاہ صاحب نے اس کا ترجمہ بایں الفاظ ادا کیاہے۔" جو لوگ یقین لائے اور ملائی نہیں اپنے یقین میں کچھ تقصیر۔" اور شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیاہے۔" جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملادیا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان"...اور اس ترجمہ کے حاشیہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھاہے۔" چونکہ ایمان و شرک کا جمع ہونا بظاہر مستبعد تھا۔ اس لئے مترجم محقق قدس سرہ' نے بغرضِ تسہیل و تفہیم،

ایمان کا ترجمہ یقین سے اور ظلم کا نقصان سے کیا، جو لغتِ عرب کے عین مطابق ہے۔ کما قولہ تعالیٰ لم تظلم منہ شیئا اور اس نقصان سے مراد شرک میں لیا جائے گا، جیسا کہ احادیث میں تصریح ہو چکی، اور خود نظم کلام میں لفظ "لبس" اس کا قرینہ ہے۔ اس کی مفصل تحقیق خود مترجم رحمہ اللہ مقدمہ میں فرما چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔"[21] بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ... میں يَكْذِبُوْنَ کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے۔" اس پر وہ جھوٹ کہتے تھے۔" اس جگہ جھوٹ کہنے اور جھوٹ بولنے میں جو باریک فرق ظاہر کیا گیا ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔ شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:

> "بظاہر اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان لوگوں کا کاذب ہونا بیان کرنا مقصود ہے اور اس کی وجہ سے ان پر عذابِ الیم ہو گا۔ حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ جھوٹ کہا کرتے تھے یعنی منافق تھے اور عذابِ الیم اس نفاق کے بدلے میں ہو گا۔"[22]

اور اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

> "حضرت شاہ صاحب کو اس باریک فرق پر متنبہ فرمانا منظور ہے، جو یکذبون کا ترجمہ جھوٹ بولنے کی جگہ "جھوٹ کہنا" فرماتے ہیں۔ فجزاہ اللہ ما ادق نظرہ'۔"[23]

شیخ الہندؒ نے جھوٹ کہنے اور جھوٹ بولنے میں جو فرق ظاہر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ترجمے میں یکذبون کا ترجمہ " جھوٹ بولنے" سے کیا ہے اور اس ترجمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام گفتگو کا جھوٹ ہو گا، جس پر عذابِ الیم کی وعید آئی ہے، حالانکہ یہ بات سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ اور ڈپٹی صاحب نے بھی خود اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ " جھوٹ سے مراد وہی اسلام کا غلط دعویٰ ہے، جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کو کرتے تھے۔"[24] یعنی جو بات انہوں نے حاشیہ میں جا کر صاف کی ہے۔ وہ بات خود ان کے ترجمے میں نہ آسکی۔ جبکہ شاہ صاحبؒ اور شیخ الہندؒ نے اس حقیقت کو اپنے اپنے ترجموں میں خوب سمویا ہے۔ بقرہ کی آیت نمبر۹ اور نمبر ۱۲ میں مَا يَشْعُرُونَ اور لَا يَشْعُرُونَ کے الفاظ آتے ہیں اور دونوں آیتوں میں " يَشْعُرُونَ " کا لفظ مشترک (Common) ہے اسی لئے مترجمین حضرات بالعموم دونوں کے ترجمے میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ مگر شاہ صاحبؒ اوّل الذکر آیت کا ترجمہ " نہیں بُوجھتے" اور ثانیُ الذکر کا ترجمہ " نہیں سمجھتے" سے کرتے ہیں۔ جبکہ خود شیخ الہندؒ اوّل الذکر آیت میں " نہیں سوچتے" اور موٴخر الذکر آیت میں " نہیں سمجھتے" کے الفاظ لائے ہیں اور اپنے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے کہ "حضرت شاہ صاحب قدس سرہ' (شاہ عبد القادر صاحبؒ) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں يَشْعُرُونَ کا ظاہر ترجمہ چھوڑ کر اس کا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔"[25]

اور اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:

" جہاں تامل اور فکر کی حاجت ہوتی ہے۔ اس کے سمجھنے کو بوجھنا" کہتے ہیں۔ حضرت ممدوح کے اس فرق فرمانے سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ امرِ اوّل یعنی منافقوں کا اپنے نفسوں کو دھوکہ دینا اس کے سمجھنے میں کچھ تامل کی حاجت ہے اور امرِ ثانی یعنی منافقوں کا مفسد ہونا بالکل ایک امرِ ظاہر ہے۔ ادنیٰ تامل کی حاجت نہیں۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اس موقع میں لَا يَشْعُرُونَ کو دو موقعوں میں لانے سے بوجہ اختلافِ محل جو باریک فرق نکلتا تھا۔ اس کی طرف اشارہ فرما گئے۔" [26]
یہاں اس امر کا بیان بے محل نہ ہو گا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان دونوں مقامات پر ایک ہی لفظ سے ترجمہ کیا ہے۔ یعنی "شعور نہیں رکھتے"۔ [27]

یہ ترجمہ چونکہ شیخ الہندؒ کے ترجمے سے پہلے کا ہے وگرنہ اس لطیف فرق کا حسن ان کے ہاں ضرور آ جاتا۔ شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ عبد القادرؒ کے ترجمہ میں بعض مقامات پر جو ترمیمات و تسہیلات کی ہیں، اس کے اسباب و علل کو راقم اپنے انداز میں لکھتا ہے۔

1. موضح قرآن میں امتدادِ زمانہ کے اثر سے کچھ متروکات پیدا ہو گئے تھے۔ جنہیں بدلنا ضروری تھا، شیخ الہندؒ نے انہی متروکات کو بدلا ہے۔
2. متروکات کی جگہ الفاظِ مستعملہ کو حضراتِ اکابر کے تراجم سے لینے کی کوشش کی گئی ہے۔
3. کہیں کہیں حسبِ ضرورت اجمال کو کھولا ہے۔
4. کچھ جگہوں پر شیخ الہندؒ نے اپنے فکر و خیال سے بھی کوئی لفظ شاملِ ترجمہ کر لیا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ لفظ سہل، محاورہ کے موافق اور مدعائے قرآنی کے مطابق ہو۔
5. اور جہاں ایسا لفظ نہیں ملا۔ وہاں جانبِ معنیٰ کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لفظ موافقِ مراد اور مناسبِ مقام کو اختیار کیا ہے گو اس میں کسی قدر طول ہو یا لفظ بہت مشہور نہ ہو۔
6. جس جگہ کسی مصلحت سے ترتیب کو بدلا گیا ہے یا کوئی اور تغیّر کیا گیا ہے تو وہاں اس امر کا لحاظ لکھا گیا ہے کہ اس کی نظیر حضراتِ اکابر کے تراجم میں موجود ہونی چاہیئے۔
7. جہاں بعض کلماتِ قرآنی کے ترجمے میں حضرات علمائے کرام کا باہم اختلاف ہوا ہے وہاں شیخ الہندؒ نے شاہ عبد القادرؒ کے ترجمے کا اتباع کیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی متابعت بھی اختیار کی ہے۔ [28] آخر میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ شیخ الہندؒ کا ترجمہ، اب شاہ عبد القادرؒ کے ترجمے کے ساتھ اکھٹا شائع ہونا چاہیئے۔ جس طرح بعض مترجمین کے ترجمے اکھٹے شائع ہوتے رہے ہیں۔ جیسے شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے ساتھ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ترجمہ اکھٹا شائع ہوا ہے۔ [29] شیخ الہندؒ کو مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ کے ترجمے میں ترمیمات کی ضرورت کہاں کہاں محسوس ہوئی اور کیوں محسوس

ہوئی؟ اسے بیک نظر جاننے کے لئے دونوں ترجموں کو اکھٹا شائع کرنا ازروئے تحقیق بہت ضروری ہے۔ قرآنیات کے طلبائے تحقیق میں سے اگر کوئی چاہے تو وہ اسے اپنی تحقیق کا عنوان بھی بنا سکتا ہے۔ بالخصوص پی ایچ۔ڈی کرنے والا کوئی طالب علم اگر اسے اپنا عنوانِ تحقیق بنائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ڈاکٹر اسرار احمد، جماعت شیخ الہند اور تنظیمِ اسلامی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، بارِ اوّل، ۱۹۹۷، ص۱۸۔

[2] عبد الحئی لکھنوی نزھۃ الخواطر، جلد ۸، ص ۴۶۸، حیدر آباد دکن، ۱۹۷۰ء

[3] ڈاکٹر اسرار احمد، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، ص۷۷، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، بارِ ششم، ۱۹۸۲ء

[4] ڈاکٹر اسرار احمد، جماعتِ شیخ الہند اور تنظیمِ اسلامی، ص۱۶۔

[5] ڈاکٹر محمد شکیل اوج، قرآنِ مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ، ص ۴۹، دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۷ء

[6] مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مقدمہ، معارف القرآن، جلد اوّل، ص ۱۴، مکتبۃ المعارف، دارالعلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، طبع دوم، ۱۴۲۲ء۔

[7] مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، جلد اوّل، تمہید، ص۶۸۔۶۹، ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی، طبعِ جدید، ۱۹۸۴ء

[8] معارف اَلقرآن از مفتی محمد شفیع کا سالِ تکمیل ۱۳۹۲ھ ہے۔ بحوالہ معارف القرآن، جلد اوّل تمہید، ص۶۷،

[9] معارف القرآن، جلد اوّل، ص۷۰۔

[10] مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، تالیف و تدوین ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص۱۲۸، مجلس یادگار، شیخ الاسلام پاکستان (کراچی) ۲۰۰۷ء

[11] مقدمہ ترجمۂ قرآن بدنام موضح فرقان، ص۳۔

[12] ایضاً۔

[13] ایضاً۔ ص۴۔

[14] ایضاً۔

[15] ایضاً، ص۱۔

[16] دیکھئے حاشیہ زیرِ آیت الفاتحہ ۷، اور حاشیہ زیرِ آیت البقرہ ۱۵ وغیرہ۔

[17] مقدمہ ترجمۂ قرآن، ص۵۔

[18] ایضاً۔

[19] ایضاً۔

[20] ایضاً۔ ص۶۔

[21] تفسیرِ عثمانی، شائع کردہ شاہ فہد قرآنِ کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب، ص ۱۸۳، فائدہ نمبر۶، سنہ اشاعت درج نہیں۔

[22] مقدمہ ترجمۂ قرآن بنام موضح فرقان۔ ص۶۔

[23]تفسیرِ عثمانی (حاشیہ شیخ الہند) ص ۴۔

[24]ترجمہ مولوی حافظ نذیر احمد، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، لاہور، راولپنڈی، ص ۵، فائدہ نمبر ۷، سنہ اشاعت ندارد۔

[25]دیکھئے حاشیہ، ص ۴، فائدہ نمبر ۵، از مولوی نذیر احمد دہلویؒ۔

[26]مقدمہ ترجمہ قرآن بنام موضح فرقان۔ ص ۶۔

[27]ترجمہ و مختصر حاشیہ مولانا اشرف علی تھانوی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور و کراچی، سنہ اشاعت ندارد۔

[28]مقدمہ ترجمہ قرآن بنام موضح فرقان، ص ۸۔

[29]عکسی القرآن الحکیم مع ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ و مولانا اشرف علی تھانویؒ، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور و کراچی۔ سن اشاعت درج نہیں۔